جلد ۳۵	۱۷ ماہ احسان ۱۳۲۶ ھش	۲۶ رجب ۱۳۶۶ ھ	۱۷ جون ۱۹۴۷ء	نمبر ۱۴۲

مدینۃ المسیح

قادیان ۱۶ ماہ احسان۔ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق آج ۹ بجے شب کی اطلاع مظہر ہے کہ حضور کی طبیعت پیٹ میں درد کی وجہ سے ناساز ہے۔ احباب دعائے صحت فرمائیں۔

حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کی طبیعت بخار نزلہ اور سردرد کی وجہ سے ناساز ہے۔ احباب دعائے صحت فرمائیں۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طبیعت تا حال ناساز ہے۔ دعائے صحت کی جائے۔

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب بدستور علیل ہیں۔ احباب دعائے صحت فرمائیں۔

جناب خان ذوالفقار علی خان صاحب گوہر کی طبیعت ناساز ہے۔ احباب دعائے صحت فرمائیں۔

ملفوظات حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ

خوف اور امید کا درمیانی راستہ اختیار کرو

کامیابی کے لئے اللہ تعالےٰ کے دونوں احکام تدبیر اور تقدیر پر عمل ضروری ہے

بروقت امداد ہی ایک ایسی چیز ہے جو حوصلہ کو بلند کرتی اور محبت کے جذبات کو ابھارتی ہے

فرمودہ ۲۹ مئی ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب

مرتبہ۔ چودہری فیض احمد صاحب گجراتی

فرمایا:۔ ان ایام میں مسلمان ایک نہایت ہی نازک دور میں سے گزر رہے ہیں۔ اور ان کے اندر موجودہ حالات کی نزاکت کا اتنا احساس نہیں پایا جاتا۔ جتنا کہ پایا جانا چاہیئے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ مومن

خوف اور رجاء

کے درمیان درمیان ہوتا ہے۔ نہ تو اس پر خوف ہی غالب آتا ہے۔ اور نہ اس پر امید غالب آتی ہے۔ بلکہ یہ دونوں حالتیں اس کے اندر بیک وقت پائی جانی ضروری ہیں۔ جہاں اسکے اندر خوف کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہاں اس کے اندر امید کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے۔ کہ نہ تو وہ خوف کی حدود کو پار کر جائے۔ اور نہ امید کی حدود سے تجاوز کر جائے۔ اور یہی وہ

اصل مقام

ہے جو ایمان کی علامت ہے۔ یا خوش بختی کی علامت ہے۔ اور اس میں مومن ہونے کی بھی شرط نہیں۔ اگر کوئی مسلمان نہ بھی ہو اور وہ اس اصل پر عمل کرے۔ اور وہ خوف ورجا کے درمیانی راستہ پر قدم زن ہو۔ تو یہ اس کی خوش بختی کی علامت ہوگی ورنہ وہ تباہی کا مونہہ دیکھے گا۔ یہی خوف ورجا کے الفاظ جو قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ بعینہ اسی قسم کے اور انہی معنوں میں انگریزی دان مدبرین نے بھی الفاظ چنے ہیں۔ اور انہوں نے کہا ہے۔ کہ وہی انسان اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ جو نہ optimist ہو یعنی ہر چیز کو امید کی نگاہ سے دیکھنے والا ہو۔ اور نہ pessimist ہو یعنی ہر چیز میں ناامیدی کا پہلو نکالنے والا ہو بلکہ ان دونوں کے

درمیانی راستہ

پر چلے۔ اگر وہ ہر چیز کا روشن پہلو دیکھتا رہے گا۔ اور برے پہلو کو نظر انداز کردیگا تو وہ بھی ناکامی کا مونہہ دیکھے گا۔ اور اگر وہ کلی طور پر ناامیدی کا پہلو دیکھتا رہیگا اور

امید کے پہلو کو نظر انداز

کر دے۔ تو بھی اس کی یہ حالت نقصان دہ ہوگی۔ صرف وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے۔ جو ان دونوں کا درمیانی رستہ اختیار کرے۔ یہی تعریف قرآن کریم میں بھی مومن کی بیان ہوئی ہے۔ کہ نہ تو وہ کلی طور پر خوف کی طرف اور نہ ہی کلی طور پر رجا کی طرف جھک جاتا ہے۔ بلکہ ان دونوں حالتوں کو اپنے اندر رکھتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کرتا ہے۔

ان ایام میں ہم دیکھتے ہیں کہ چاہے مسلمان پنجاب اور بنگال میں اکثریت رکھتے ہیں۔ مگر جب کبھی

حقوق کا سوال

اٹھتا ہے۔ یورپین قومیں دشمن کے حق میں اور ان کے خلاف رائے رکھتی ہیں۔ اور انگلستان اور امریکہ وغیرہ سے بھی جو آواز اٹھتی ہے۔ وہ عام طور پر

مسلمانوں کے خلاف

ہوتی ہے یہاں تک کہ انگلستان کے وہ اخبارات جو پہلے مسلمانوں کی تائید کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بھی اب تائید کرنی چھوڑ دی ہے۔ اور پھر تائید میں لکھنا تو الگ بات ہے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا

ایڈیٹر:۔ روشن دین تنویر

بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا اور دفتر الفضل قادیان سے شائع ہوا۔

کہ گذشتہ فسادات کے دوران میں جب دشمن کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف غلط پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا۔ ان کا جواب دینے۔ لیکن جواب دینا تو درکنار جب کبھی ایسا مضمون نکلتا۔ اور مسلمانوں کی طرف سے اس کا جواب بھیجا جاتا۔ تو وہ اخبار اسے شائع نہیں کرتے رہے۔ گذشتہ ایام میں میں نے انگلستان میں اپنے مبلغین کو لکھا۔ کہ تم لوگ وہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ اور تم کیوں

مسلمانوں کی حمایت

میں مضمون نہیں لکھتے یا ہندوؤں کے غلط پروپیگنڈا کی تردید نہیں کرتے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم تو سب کچھ کرتے ہیں۔ اور مضامین بھی لکھتے ہیں۔ لیکن یہاں کے اخبارات ہمارے مضامین چھاپتے نہیں۔ پس عام طور پر انگلستان کے اخبارات مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں کے حق میں مضامین چھاپتے رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ انہی کی تائید کرتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ کسی بڑے افسر نے تائید میں کوئی مضمون لکھا۔ تو اسے چھاپ دیا۔ مگر

شاذو نادر

ہی ایسا ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت انگلستان کے لوگوں کے مدنظر کوئی مصلحت ہے یا حکومت کی طرف سے انہیں ایسا کرنے کے لئے کوئی اشارہ ہے۔ بہرحال وہ جو آواز اٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف اٹھاتے ہیں۔ وہ لوگ چونکہ سیاسی ہیں۔ اس لئے وہ وہ اپنی حکومت سے حتی الوسع تعاون کرتے ہیں۔ یہاں کے اخبار والے تو چونکہ سمجھتے ہیں۔ کہ حکومت غیر ملکی ہے۔ اس لئے اگر حکومت کے منشا کے خلاف بھی کوئی قدم اٹھایا۔ تو کوئی بری بات نہیں ہے۔ مگر وہاں کی حکومت چونکہ غیر ملکی نہیں بلکہ ان کی اپنی ہے۔ اس لئے وہ سیاست کے ماتحت حکومت کے ساتھ حتی الامکان

تعاون

سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ جب میں ولایت گیا۔ تو ہمارے وہاں جانے پر تمام انگریزی اخبارات نے بڑے لمبے چوڑے مضامین لکھے۔ اور قریباً تمام اخبارات نے ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ گویا وہ ہمیں خوش کرنا چاہتے تھے۔ ابھی میں وہاں ہی تھا۔ کہ مجھے خبر پہنچی۔ کہ امان اللہ خاں والیٔ کابل نے ہمارے مبلغ

مولوی نعمت اللہ صاحب رضی اللہ عنہ

کو سنگسار کرا دیا ہے۔ ہم نے وہاں جلسہ کیا۔ اور بڑے ریزولیوشن پاس کئے۔ اور اخبارات کو بھجوائے۔ لیکن ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ وہی اخبارات جنہوں نے ہمارے جانے پر بڑے لمبے چوڑے مضامین لکھے تھے۔ اور کئی دن تک صفحوں کے صفحے سیاہ کرتے رہے۔ انہوں نے سوائے اس کے کہ اپنے اخباروں کے کسی گوشے میں اس خبر کو جگہ دے دی۔ نمایاں طور پر کسی نے بھی شائع نہ کیا۔ ہمیں اس بات پر سخت تعجب ہوا۔ اور ہم نے مختلف اخباروں والوں کے پاس اپنا آدمی بھیجا۔ تو انہوں نے آگے سے یہ

بہانہ کر کے ٹال دیا

کہ چونکہ آج کل سیاسی معاملات بہت زیادہ ہیں۔ اور ہمیں ان پر مضامین شائع کرنے پڑتے ہیں۔ اور چونکہ پبلک کو ان سیاسی مسائل سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اس لئے افسوس ہے۔ کہ ہم اس خبر کو نمایاں طور پر شائع نہیں کر سکے۔ مگر ایک دو اخبارات ایسے بھی تھے۔ جن کا تعلق ہمارے ساتھ دوستانہ تھا۔ انہوں نے صاف کہہ دیا۔ کہ ہمیں تو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کا اشارہ پہنچا ہے۔ کہ یہ خبر شائع نہ کی جائے۔ کیونکہ اس طرح افغانستان کی حکومت سے

ہمارے تعلقات

خراب ہو جائیں گے۔ ہم یہ تو جانتے ہیں۔ کہ ہم آزاد ہیں۔ لیکن ملکی حکومت کے ساتھ تعاون کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے ہم ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ پس یہ بھی ممکن ہے کہ انگلستان کی حکومت نے ہی وہاں کے اخبارات کو مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں کے حق میں آواز اٹھانے کے لئے اشارہ کر دیا ہو۔ بہرحال اس وقت

انگلستان والوں کی رائے عامہ

مسلمانوں کے خلاف ہے۔ امریکہ جو پہلے ہندوؤں کی بہت زیادہ تائید کیا کرتا تھا۔ بلکہ مسلمانوں کے حقوق کے متعلق کچھ کہنا سننا بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ اب اس کے اندر تھوڑی بہت تبدیلی ہو رہی ہے۔ اور اب جو مضامین وہاں کے اخبارات میں چھپتے ہیں۔ ان سے پتہ لگتا ہے۔ کہ گو وہ مسلمانوں کے حق اور تائید میں آواز نہیں اٹھاتا۔ لیکن اتنا ضرور ہے۔ کہ اس نے پہلے جیسی مخالفت چھوڑ دی ہے۔ ادھر ہندوستان کے اندر انگریز افسر عام طور پر

ہندوؤں اور سکھوں کی تائید

کرتے ہیں مسلمانوں کی نہیں کرتے۔ جہاں تک زیادتی اور ظلم کا سوال ہے۔ اس کا دونوں قوموں نے ارتکاب کیا ہے۔ کسی جگہ ہندوؤں نے اور کسی جگہ مسلمانوں نے۔ جن جن جگہوں میں مسلمانوں نے ظلم کیا ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے ظلم کیا ہے۔ ہم برے فعل کو ضرور برا کہیں گے۔ مگر ہم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ جہاں مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے۔ اس کے خلاف بھی آواز اٹھنی چاہیئے کہ اسی ظلم کے خلاف جو مسلمانوں نے کیا ہے۔ لاہور اور امرت سر میں جو فسادات ہوئے ہیں ان میں ہندوؤں نے

مسلمانوں پر ظلم

کیا ہے۔ اور ہندوؤں نے ہی فسادات کی ابتدا بھی کی ہے۔ بے شک راولپنڈی اور ملتان وغیرہ میں مسلمانوں نے بھی ظلم کیا۔ اور اگر انہوں نے ظلم کیا ہے۔ تو ہماری جماعت یہ نہیں کہے گی۔ کہ وہاں مسلمانوں نے ظلم نہیں کیا۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔ کہ جہاں ہر وقت یہ شور مچایا جا رہا ہے۔ کہ راولپنڈی اور ملتان میں مسلمانوں نے ظلم کیا۔ وہاں یہ آواز بھی تو اٹھنی چاہیئے کہ

لاہور اور امرت سر میں

ہندوؤں نے ظلم کیا۔ امرتسر کے اندر مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اور ہندوؤں نے جی بھر کر ان پر مظالم توڑے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہاں ہندوؤں کے مکانات بھی جلے ہیں۔ اور ان کو نقصان پہنچا ہے۔ لیکن ابتدا ہندوؤں ہی کی طرف سے ہوئی۔ اور یہ تو نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک کا مکان جلے اور وہ دوسرے کا مکان نہ جلائے۔ جب ہندوؤں نے ظلم کرنے میں پہل کی تھی۔ تو مسلمانوں میں جوش کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا۔ ہاں ملتان والوں کا یہ حق نہ تھا۔ کہ وہ

امرت سر کا بدلہ

وہاں کے ہندوؤں سے لیتے۔ ان کو چاہیئے تھا۔ کہ وہ جتھے بنا کر امرتسر پہنچتے اور ظالموں کا مقابلہ کرتے۔ اسی طرح راولپنڈی والوں کا یہ حق نہ تھا۔ کہ وہ امرتسر کا بدلہ وہاں کے ہندوؤں سے لیتے بلکہ ان کا حق یہ تھا۔ کہ وہ جتھہ در جتھہ امرتسر میں پہنچ جاتے۔ اور اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کرتے۔ جہاں تک امرتسر کے نقصانات کا سوال ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہاں کے ہندوؤں کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ لیکن ہندوؤں نے بلیک مارکیٹ میں سے اربوں روپیہ کمایا ہوا تھا۔ اگر ان کا دس کروڑ کا نقصان بھی ہو گیا۔ تو کیا ہوا۔

ایک فی صدی نقصان

کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ مگر دوسری طرف امرتسر کے مسلمان بالکل تباہ ہو گئے ہیں۔ ان کی ساری کی ساری جائیدادیں فسادات کی نذر ہو گئی ہیں۔ اور وہ نان شبینہ کے بھی محتاج ہو چکے ہیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان کی تائید میں کوئی آواز نہیں اٹھتی۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے۔ کہ دونو طرف کو یکساں دیکھا جائے۔ جہاں راولپنڈی اور ملتان کے ظلم کو دیکھا جائے۔ وہاں لاہور اور امرتسر کے ظلم کو بھی دیکھا جائے۔ لاہور اور امرتسر کے مسلمانوں نے جو

دفاعی اقدام

کیا وہ حالات سے مجبور ہو کر کیا۔ اور جب حالات اس قسم کے ہو جاتے ہیں۔ تو یہ بات کسی کے اپنے بس میں نہیں رہتی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چیز کو تو انتہائی طور پر ابھارا جا رہا ہے۔ لیکن دوسری کا ذکر بھی نہیں کیا جاتا۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے۔ کہ خاص طور پر رعایت سے کام لیا جا رہا ہے۔ جو اٹھتا ہے وہ کہتا ہے۔ نواکھلی کے مظالم کو دیکھو۔ راولپنڈی اور ملتان کے مظالم کو دیکھو۔ مگر یہ کوئی بھی نہیں کہتا۔ کہ بمبئی۔ بہار گڑھ مکتیسر۔ احمد آباد۔ امرتسر اور لاہور کے مظالم کو بھی دیکھو۔ تمام اخبارات راولپنڈی اور ملتان کا ذکر الاپتے ہیں۔ مگر انصاف کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اس طرف کا ذکر نہیں کرتے۔ جس سے ان کے

اپنے گھر پر زد

پڑتی ہے۔ کانگرس کے اخبارات تو ایسا کریں گے ہی۔ کیونکہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ لیکن دوسرے اخبارات کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں۔ جو مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کو اس خطرہ اور مصیبت سے آگاہ کر رہی ہیں۔ جو ان پر آنے والا ہے۔ مگر مسلمان ہیں کہ خواب خرگوش سے بیدار ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔ زمانہ ان کو

جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر

جگا رہا ہے۔ لیکن وہ جاگنے کا نام نہیں لیتے۔ مصائب کے سیاہ بادل اُڈے چلے آتے ہیں۔ لیکن مسلمان اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ مخالفت کے طوفان ان کے سفینے پر بار بار تباہ کر دینے والی لہریں اچھالتے ہیں۔ لیکن وہ ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ کہ یہ سب کچھ خواب ہے۔ اور باقی تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ دعوے پر دعوے کرتے چلے جاتے ہیں۔ کہ ہم ایک ایک انچ کے لئے یوں کر دیں گے اور ہم یہ کر کے دکھا دینگے۔ لیکن ان کا عملی پہلو اتنا کمزور ہے کہ اس کو دیکھ کر کوئی عقلمند ان کے دعووں کو

لفاظی سے زیادہ وقعت

نہیں دے سکتا۔ جہاں وہ یہ دعوے کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک ایک انچ کے لئے اپنی جانیں لڑا دیں گے۔ وہاں وہ یہ بھی شور مچاتے ہیں۔ کہ فلاں D.S.P. یا I.S. یا فلاں تھانیدار کو بدل دیا جائے۔ گویا ایک طرف تو ان کے دعوے اتنے بلند ہیں کہ سننے والا یہ اندازہ لگاتا ہے کہ شاید یہی لوگ اپنے علاقہ کے کرتا دھرتا ہیں۔ اور دوسری طرف وہ تھانیداروں کی تبدیلی کے لئے شور مچاتے ہیں۔ وہ اپنے دعووں کی کامیابی کی ایک جھوٹی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ اور جب انہیں سمجھایا جائے کہ اس وقت مسلمانوں کو سخت خطرہ درپیش ہے تو کہیں گے نہ نہ اس بات کا نام نہ لینا ورنہ

مسلمانوں کے حوصلے

پست ہو جائینگے۔ اور ان کی دلیری جاتی رہے گی۔ میں نے ایک مسلمان لیڈر کو کہا کہ آپ مسلمانوں کو سمجھائیں۔ کہ کسی قسم کی زیادتی نہ کریں۔ بلکہ وہ جہاں تک ہو سکے مظلوم بننے کی کوشش کریں تاکہ دنیا کی آواز ان کے حق میں اٹھے۔ لیکن انہوں نے کہا نہ نہ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر مسلمان زیادہ مارے گئے۔ تو باقی لوگ ہمت ہار جائیں گے۔ غرض میری اس نصیحت کے جواب میں کہ کچھ دن مرد اور صبر کرو۔ تاکہ ساری دنیا تمہاری تائید کرے۔ انہوں نے مجبوری ظاہر کی۔ کہ اس طرح کرنے سے

مسلمانوں کے دل

بیٹھ جائینگے۔ یہ سب باتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ مسلمانوں نے ابھی تک حقیقی تیاری نہیں کی۔ اگر انہوں نے کوئی تیاری کی ہوتی تو ان کے اندر قربانی کے جذبات ہوتے اور اعلےٰ درجہ کی تنظیم ہوتی۔ مثلاً امرتسر میں جب ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا۔ تو ان بے چاروں کو سوائے اس کے اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔ کہ وہ حملے کا جواب دیتے۔ اور یہ ان کا حق بھی تھا۔ مگر

سوال تو یہ ہے۔

کہ باقی پنجاب کے مسلمانوں نے کیا تیاری کی۔ ان کے لئے یہ بات ہرگز جائز نہ تھی کہ وہ امرتسر کا بدلہ راولپنڈی یا ملتان کے ہندوؤں سے لیتے۔ ظلم کرنے والے تو امرتسر میں بیٹھے تھے۔ راولپنڈی یا ملتان کے ہندوؤں کا اس میں کیا حصہ تھا۔ ان کا یہ فعل سراسر ظلم ہے اور شریعت اسلام نے کسی صورت میں بھی اسکو جائز قرار نہیں دیا۔

تیاری کا مطلب

تو یہ تھا کہ وہ امرتسر کے مصیبت زدگان کی امداد کرتے۔ ان کا ایک کروڑ کے قریب نقصان ہوا تھا۔ مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ لوگوں میں چندہ کی تحریک کرتے۔ اور ایک کروڑ نہ سہی کم از کم پچیس لاکھ روپیہ جمع کر کے ان کو وقتی گزارہ کے لئے دیدیا جاتا۔ اگر ایسا کیا جاتا۔ تو ان کے حوصلے بلند ہو جاتے۔ اور ان کو دلیری ہوتی۔ کہ ہمارے بھی بھائی ہیں۔ اور ہمارے بھی خیر خواہ موجود ہیں۔ جو ہم پر مصیبت آنے کے وقت ہماری امداد کر سکتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کام کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ نہ ہی ان کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے کوئی جدوجہد کی گئی ہے۔

بروقت امداد

ایک ایسی چیز ہے۔ جو ایک طرف حوصلے کو بلند کرتی ہے اور دوسری طرف محبت کے جذبات کو ابھارتی ہے۔ میں نے کئی دفعہ ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ عرب کی مشہور شاعرہ خنساء کے باپ نے اس کی شادی ایک رئیس کے لڑکے سے کر دی۔ وہ لڑکا نہائت عیاش تھا۔ اور اس کے اندر ہر قسم کے بُرے افعال کی عادات پائی جاتی تھیں۔ چنانچہ اس لڑکے نے شراب اور جوئے میں اپنے باپ کی ساری جائداد تباہ کر دی۔ اور جو کچھ بیوی کا مال واسباب تھا وہ بھی اڑا دیا۔ اور آخر جب وہ سب کچھ پھونک چکا۔ تو ایک دن نہائت افسردہ ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ بیوی نے پوچھا کیا بات ہے۔ تم اتنے دلگیر کیوں ہو۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں سب جائداد تباہ کر چکا ہوں۔ اور اس وقت ہمارے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہا بیوی نے اسے تسلی دی۔ اور کہا یہ کوئی مایوسی کی بات نہیں۔ میرا بھائی بڑا امیر کبیر ہے۔ اور جبتک وہ زندہ ہے۔ مجھے اس کی

امداد پر پورا بھروسہ

ہے۔ اس کی موجودگی میں ہم کیوں اتنا غم کریں چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔ وہ ہماری اس حالت کو دیکھ کر ضرور ہماری امداد کرے گا چنانچہ وہ اسے ساتھ لے کر اپنے بھائی کے پاس گئی۔ اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے بہنوئی کو کسی قسم کی ملامت کرتا کہ تم نے اپنی جائداد کو تباہ کر دیا ہے۔ یا تم نالائق ہو۔ اس نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اور اپنے دوستوں اور بڑے بڑے رؤسا کو اپنی بہن اور بہنوئی کی آمد کی خوشی میں دعوتیں دیں۔ اور متواتر چالیس دن تک دعوتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ چالیس دن کے بعد اس نے چند رؤسا کو بلایا۔ اور کہا دیکھو میری بہن اس وقت غربت کی حالت میں ہے۔ اس لئے میری جائداد میں اس کا حق ہے۔ (حالانکہ باپ کی جائداد سے وہ اپنا الگ حصہ لے چکی تھی) اس لئے آپ انصاف کے ساتھ میری جائداد کو

آدھا آدھا تقسیم کر دیں

آدھا مجھے دیدیں اور آدھا میری بہن کو دیدیں کیونکہ یہ بات انصاف کے خلاف ہے۔ کہ میری بہن غریب ہو جائے۔ اور میں اسکی مدد نہ کروں۔ اس زمانہ میں روپے تو ہوتے نہ تھے۔ بھیڑیں بکریاں اونٹنیاں ہوتی تھیں۔ یا تھوڑا بہت سونا چاندی ہوتا تھا۔ اور ایک ایک امیر آدمی کے پاس سینکڑوں اور ہزاروں جانور ہوتے تھے۔ رؤسا نے اس کے مال کا اندازہ لگا کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اور بہن اپنا آدھا حصہ لے کر اپنے خاوند کے ساتھ واپس گھر آئی کچھ دنوں تک تو اسکا خاوند بد عادات سے رکا رہا۔ لیکن بد عادتیں پھر عود کر آئیں۔ اور اس نے پھر وہی شراب اور جوئے کا شغل شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ مال جو اس کی بیوی اپنے بھائی سے لائی تھی۔

چند دنوں میں ختم ہو گیا

اور پھر وہ کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا۔ ایک دن پھر اسی طرح وہ مغموم شکل بنائے بیٹھا تھا

وقف جائداد و آمد کے وعدوں کی میعاد

۳۰ جون تک بڑھا دی گئی ہے

احباب کی اطلاع کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے حفاظت مرکز کے چندوں (وقف جائداد وقف آمد) کے وعدے کرنے اور فہرستیں ارسال کرنے کی میعاد ۳۰ر جون ۱۹۴۷ء تک بڑھا دی ہے۔ جن جماعتوں نے ابھی تک مکمل فہرستیں نہیں بھیجیں۔ وہ فوری طور پر اس طرف توجہ کریں۔ اور جلد سے جلد فہرستیں ارسال کرنے کی کوشش کریں؛

کہ بیوی نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہنے لگا۔ سارا مال ختم ہو گیا ہے۔ اب کیسے گذر ہوگی۔ خنساءؓ نے کہا۔ جب تک میرا بھائی زندہ ہے۔ تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ پھر اسے ساتھ لیکر اپنے بھائی کے پاس پہنچی۔ اور بھائی نے اس دفعہ پہلے کی نسبت بھی زیادہ شاندار استقبال کیا۔ اور زیادہ شاندار دعوتیں کیں۔ اور چالیس دن دعوتیں کرنے کے بعد اس نے رؤسا کو بلایا اور کہا میری دولت کو ہم دونوں بھائی بہن میں برابر برابر تقسیم کردو۔ وہ پھر آدھی دولت بھائی سے لیکر اپنے خاوند کے ساتھ گھر واپس آئی۔ کچھ عرصہ تک تو خاوند نے شراب اور جوئے سے پرہیز کیا۔ لیکن شراب اور جوئے کی لت ایسی بری ہوتی ہے۔ کہ اس سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے

پھر وہی کام

شروع کردیئے۔ اور اس دولت کو بھی اڑا دیا۔ اس دفعہ اس کے دل میں سخت ندامت پیدا ہوئی۔ کہ اب تو میں خودکشی کرلونگا۔ لیکن کچھ مانگنے کے لئے نہیں جاؤنگا۔ خنساءؓ کو جب اپنے خاوند کا یہ ارادہ معلوم ہوا۔ تو اس نے کہا میرا بھائی زندہ ہے تو تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ اب مجھے تمہارے بھائی کے پاس جاتے شرم محسوس ہوتی ہے۔ مگر وہ اسے مجبور کرکے پھر اپنے بھائی کے پاس لے گئی۔ اور بھائی نے پہلے سے بھی زیادہ شاندار استقبال کیا۔ اور کوئی کسر ان کی خدمت میں اٹھا نہ رکھی۔ اس نے چالیس دن کے بعد

پھر رؤساء کو بلایا

اور کہا میری بہن پر پھر غربت کی حالت ہے۔ اس لئے میری جائیداد کو تقسیم کرکے نصف اسے دے دو۔ اس دفعہ اس کی بیوی جو یہ بات سن رہی تھی۔ اس نے اسے اندر بلایا اور کہا کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ آخر تمہارے بھی بیوی بچے ہیں۔ ان کا کیا بنے گا۔ وہ تو جواری اور شرابی ہے۔ کیا تم اسی طرح اپنی تمام دولت لٹا دوگے۔ خاوند نے کہا۔ تم خاموش رہو۔ میں اگر مرگیا۔ تو تم اور خاوند کرلوگی۔ لیکن یہ میری بہن ہی ہے۔ جو مجھے ساری عمر روئے گی۔

غرض بھائی نے پھر اپنی آدھی دولت بہن کو دیکر رخصت کردیا۔ خنساءؓ گھر پہنچیں تو کچھ عرصہ تک ان کے خاوند نے صبر کئے رکھا لیکن اپنی بد عادتوں سے مجبور ہوکر پھر وہی چال اختیار کی۔ اور ساری دولت اڑا دی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ مرگیا اور اسکی وفات کے کچھ عرصہ بعد خنساءؓ کا بھائی بھی مرگیا۔ اس محبت کرنے والے بھائی کی موت نے خنساءؓ کے دل پر ایسا گہرا زخم لگایا۔ کہ اس نے اپنے بھائی کی یاد میں مرثیے کہنے شروع کردیئے۔ اور درد اور محبت کی وجہ سے اس کے خیالات ایسا رنگ اختیار کرگئے۔ کہ عرب کے

چوٹی کے شاعروں میں

شمار ہونے لگی۔ اور اس نے بھائی کی محبت کے جوش میں اتنے اعلیٰ پایہ کے مرثیے کہے کہ آج تک عرب کے تمام شاعروں میں اعلیٰ درجہ کی شاعرہ شمار کی جاتی ہے۔ اس کے شعروں میں اتنا درد پایا جاتا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے جب اس کے شعر سُنے تو آپ رو پڑے اور کہنے لگے۔ خنساء اگر مجھے بھی شعر کہنے آتے۔ تو میں بھی اپنے بھائی کا ایسا ہی مرثیہ کہتا۔ خنساءؓ نے کہا آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ کا بھائی تو خدا تعالےٰ کی راہ میں شہید ہوکر مرا ہے۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر میرا بھائی شہادت پاتا۔ تو میں

کبھی اس کا مرثیہ نہ پڑھتی

اور کبھی اسکی وفات پر افسوس کا اظہار نہ کرتی۔ اس پر حضرت عمرؓ خاموش ہوگئے۔ اب دیکھو بھائی کی قربانی نے کتنا درد پیدا کردیا تھا۔ کہ ایک عامی عورت کو عظیم الشان شاعرہ بنا دیا۔ اور ایسا کہ آج چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی وہ عرب کی چوٹی کے شاعروں میں شمار کی جاتی ہے۔ پس مسلمان بجائے اس کے کہ امرتسر کے ہندوؤں اور سکھوں کا بدلہ راولپنڈی اور ملتان کے ہندوؤں سکھوں سے لیتے۔ انہیں چاہیئے تھا۔ کہ وہ اپنے مال لاکر امرتسر کے مظلوم اور مصیبت زدہ مسلمانوں کے سامنے پیش کردیتے۔ وہ خود تنگی سے گذارہ کرلیتے اور زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کرکے ان کی مدد کرتے اگر وہ ایسا کرتے تو امرتسر کے مسلمانوں کے دلوں میں

خوشی کی لہر

دوڑ جاتی۔ اور ان کو اپنے بھائیوں سے محبت ہوتی۔ اور وہ یہ یقین کرلیتے۔ کہ بے شک ہمیں تکلیف پہنچی ہے۔ لیکن ہماری تکلیف میں حصہ لینے والے ہمارے بھائی موجود ہیں۔ اور وہ اس بات کو محسوس کرتے کہ بے شک ہمیں دکھ پہنچا ہے۔ مگر ہمارے دکھ بانٹنے والے ہمارے بھائی موجود ہیں۔ ان کے اندر دلیری جرأت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بجائے اس احسن اقدام کے راولپنڈی اور ملتان کے ناکردہ گناہ ہندوؤں اور سکھوں سے امرتسر کا بدلہ لینا شروع کردیا۔ جو سراسر ناجائز تھا۔ اور وہ اپنے فاقہ مست بھائیوں کو بالکل بھول گئے۔ ان کو یہ احساس تک نہ آیا۔ کہ ہمارے مظلوم بھائی

نان شبینہ کے محتاج

ہوچکے ہیں۔ انہیں ذرا خیال نہ آیا۔ کہ ہمارے مصیبت زدہ بھائی ہمارے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس فرض کو بالکل نہ پہچانا کہ یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری کرنا ان کے لئے ضروری ہے۔ وہ بھول گئے اس بات کو کہ ہمارے بیسیوں بھائی بے یارومددگار زخموں سے نڈھال پڑے ہیں۔ انہوں نے نظر انداز کردیا اس بات کو کہ ان کے سینکڑوں بھائی اپنے جلے ہوئے اور بے چھت مکانوں کے اندر درد و کرب سے کراہ رہے ہیں۔ اور وہ نہ سوچ سکے اس بات کو کہ ان کے سینکڑوں بھائی دشمن کے ظلم و استبداد کا شکار ہونے کی وجہ سے ان کی

امداد کی امیدیں

لگائے بیٹھے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ انہوں نے صحیح اور سیدھے راستہ پر گامزن ہونے کی بجائے ٹیڑھی راہ کو اختیار کیا۔ اور ایک کے ظلم کا بدلہ دوسرے ناکردہ گناہ سے لینا چاہا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ امرتسر کے ستم رسیدہ مسلمان یہ سمجھنے لگ گئے۔ کہ ہمارا کوئی نہیں ہے۔ اگر کوئی ہوتا۔ تو ہماری خبرگیری نہ کرتا اور ہماری دادرسی نہ کرتا۔ پچھلے دنوں مجھے ایک آدمی نے ایک واقعہ سنایا۔ کہ امرتسر سے بھاگ کر آئے ہوئے دو مسلمانوں نے کسی سے کہا۔ کہ ہم مرنے سے نہیں ڈرتے ہاں ہم اس بات سے ضرور ڈرتے ہیں۔ کہ اگر ہم مارے گئے۔ تو ہمارے بیوی بچے تباہ ہو جائیں گے۔ اور ان کی رکھوالی کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ اگر پنجاب کے مسلمان امرتسر کے مظلوموں کی مدد کو پہنچتے۔ تو ان کو یہ خیال کبھی نہ آسکتا تھا۔ کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بیوی بچوں کا کیا ہوگا۔ مسلمانوں کو چاہیئے تھا۔ کہ وہ بجائے امرتسر کا بدلہ کسی اور جگہ کے ہندوؤں سے لینے کے

جتھہ در جتھہ

امرتسر پہنچتے۔ اور اپنے بھائیوں کی خدمت کرتے۔ اور ان کے مالی نقصان کو پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ اور انہیں تسلی دیتے تاکہ ان کے اندر

قربانی کا جوش

اور بھی زیادہ ہوتا۔ اور وہ دشمن کے مقابلہ میں زیادہ دلیر اور زیادہ بہادر بن جاتے۔ اور دنیا میں قدر ہمیشہ اسی کی ہوتی ہے۔ جو دشمن کا دلیری اور جرأت کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوا مارا جائے۔ بزدلی سے مرنے والے پر لوگ لعنت بھیجتے ہیں۔ اگر مسلمان راولپنڈی اور ملتان میں امرتسر کا بدلہ لینے کی بجائے خود چل کر امرتسر پہنچتے اور جتھوں کی صورت میں آتے۔ سیالکوٹ سے آتے۔ گجرات سے آتے۔ جہلم سے آتے۔ لائل پور سے آتے۔ اور دوسرے

تمام اضلاع

سے جوق در جوق امرتسر میں پہنچ جاتے۔ اور کہتے جنہوں نے ہمارے بھائیوں پر ظلم کیا ہے۔ وہ آئیں اور ہمیں بھی ماریں۔ ساتھ ہی وہ اپنے بھائیوں کی اپنے مالوں سے امداد کرتے اور ان سے کہتے یہ ہم تم پر

احسان نہیں

کر رہے۔ بلکہ چونکہ تم نے ہماری قومیت میں شریک ہونے کی وجہ سے دکھ اٹھایا ہے۔ اس لئے ہم تمہاری مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اس قسم کا نظارہ پیش کرنے سے ایک طرف تو مسلمانوں کے حوصلے بڑھ جاتے۔ اور دوسری طرف دشمن مرعوب ہو جاتا اور وہ سمجھ لیتا کہ اگر امرتسر کے مسلمانوں پر کوئی ظلم ہوا۔ تو پنجاب کے لاکھوں کروڑوں مسلمان اس کا بدلہ لینے کا عزم کر چکے ہیں۔ دشمن کے حوصلے پست ہو جاتے۔ اور وہ کبھی دوسری بار مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اس طرف تو کچھ بھی دھیان نہ کیا۔ اور صرف بڑیں ہانکنی شروع کر دیں کہ ہم مٹا کر رکھ دیں گے یا ہم تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ جیسے آجکل کے

گداگر فقیر

جہلا کے سامنے دعوے کرتے پھرتے ہیں کہ ہم چودہ طبقوں کو الٹا کر رکھ دیں گے۔ حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے۔ کہ سر سے ننگے، پاؤں سے ننگے، روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے لئے دربدر مارے مارے پھرتے ہیں۔ مگر دعویٰ وہ یہ کرتے ہیں کہ ہم زمین و آسمان کو درہم برہم کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اتنے ہی اپنے دعووں میں سچے ہوتے تو دربدر کی خاک کیوں چھانتے پھرتے

ایک دوست

جو مریض تھے میری ملاقات کے لئے آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب ہیں جو بڑے عالم فاضل ہیں۔ میرے باپ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ حج کے لئے گئے تو میں آپ کو پانچ سو روپیہ دوں گا۔ مگر جب وہ حج کو گئے تو والد صاحب نے کسی وجہ سے وعدہ پورا نہ کیا۔ اور وہ مولوی صاحب سخت ناراض ہو گئے۔ اس کے بعد والد صاحب نے میرے لئے تجارت کا انتظام کیا۔ جب میرے پاس مال ہوا۔ تو میں نے اپنے باپ کے وعدے کو پورا کرنے کے لئے مولوی صاحب کو پانچ سو روپے دیتے ہوئے کہا

بیچارے میرے والد صاحب تو اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے تھے۔ اب میں آپ کو وہ روپیہ دیتا ہوں۔ مولوی صاحب نے روپے لے لئے اور صدری میں رکھے۔ جس میں ان کی ایک گھڑی بھی تھی۔ مگر اتفاق ایسا ہوا۔ کہ وہ صدری چوری ہو گئی۔ اور نہ صرف میرا دیا ہوا پانچ سو روپیہ ضائع چلا گیا۔ بلکہ ان کا اپنا کچھ روپیہ اور گھڑی بھی چوری ہو گئی اس پر مولوی صاحب نے مجھے کہا تم نے کیسا

منحوس روپیہ

دیا تھا کہ وہ میرا بھی کچھ روپیہ ساتھ لیکر چلا گیا۔ اب ان مولوی صاحب نے خدا جانے کیا وظیفہ پڑھ کر مجھ پر پھونک دیا ہے کہ میں ایک مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ یہ سن کر میں نے کہا۔ مولوی صاحب نے اگر کسی قسم کا وظیفہ پڑھ کر آپ کو مریض بنا دیا ہے تو انہوں نے یہ کیوں نہ کیا کہ اسی قسم کا وظیفہ پڑھ کر چور کو پکڑ لیتے اور روپیہ اس سے واپس لے لیتے۔ مولوی صاحب کو انسانی زندگی میں جو اتنی قیمتی ہے کہ لاکھوں روپیہ سے بھی نہیں مل سکتی تغیر پیدا کرنے والا وظیفہ آتا تھا۔ تو ان کے لئے یہ کونسا مشکل کام تھا کہ وہ چور کو بھی پکڑ واتے۔ اس سے اپنا روپیہ بھی لیتے اور ساتھ ہی کچھ ہرجانہ بھی لیتے۔ اسی طرح انہوں نے اور بھی اپنے بعض لطائف سنائے جو

الف لیلے

کے قصوں کی طرح تھے۔ یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان اپنے اندر ایک دوسرے کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتے۔ اور جہاں کہیں کسی مسلمان کو دکھ پہنچتا وہ جتھوں کی صورت میں اس کے پاس پہنچتے۔ اس کے نقصان کی تلافی کرتے اور اس کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرتے۔ تو دشمن کبھی بھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکتا۔ مگر افسوس کہ وہ

اپنی اصلاح

کی طرف سے بالکل غافل بیٹھے ہیں۔ اور دعووں پہ دعوے کرتے جا رہے ہیں کہ ہم یوں کر دیں گے اور یوں کر دیں گے۔ اور ان کے یہ دعوے بالکل اسی قسم کے ہیں۔ جیسے جادو یا ٹونا کرنے والوں کے ہوتے ہیں۔

وہ اس راستہ کو بھول چکے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تجویز کیا تھا۔ یعنی خوف اور رجا کے درمیان والا راستہ وہ ایک ہی راستے پر چل رہے ہیں۔ یعنی امید کے راستہ پر اور اس کو بھی عبور کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ تو حالت ہے امید کی۔

اب

دوسری طرف

ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بعض مسلمان ایسے ہیں جن پر کلی طور پر خوف کی حالت طاری ہے۔ اور وہ امید کے راستہ سے بھٹک چکے ہیں۔ وہ لوگ کانگرس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہے ہیں اس ڈر سے کہ اگر کانگرس ہم سے ناراض ہو گئی۔ تو خدا جانے ہم پر کون سی آفت ٹوٹ پڑے گی اور کانگرس کی مخالفت سے ہمیں کیا کیا نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے۔ پس ایک طبقہ مسلمانوں کا ایسا ہے۔ جو غلط خوف کی طرف جھکا ہوا ہے اور دوسرا طبقہ ایسا ہے۔ جو غلط امیدیں لگائے بیٹھا ہے۔ حالانکہ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو راستہ تجویز کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس پر بیک وقت

خوف و رجا کی حالت

طاری رہے۔ ایک طرف اس کے دل میں دشمن کی طرف سے یہ خدشہ رہے کہ کب وہ اچانک اس پر حملہ کر دیتا ہے۔ اور وہ اس کے لئے تدبیریں سوچتا رہے۔ دوسری طرف وہ اپنی طرف سے تمام تدبیریں کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل کا منتظر رہ جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت کی۔ تو رات کے وقت کی اور آپؐ دشمن کی نظروں سے بالکل چھپ کر نکلے حالانکہ آپؐ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آپؐ کو دشمن کے منصوبوں سے بچانے کے متعدد وعدے تھے۔ اور آپؐ کو ان وعدوں پر یقین کامل تھا مگر آپؐ نے اس یقین کے ہوتے ہوئے بھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور دشمنوں سے محفوظ و مصئون رکھے گا۔ حتی الامکان

دشمن کی نظروں سے بچکر

نکلنے کی کوشش کی۔ یہ نہیں کہا کہ آجاؤ مکے والو! مجھے پکڑ لو۔ مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ آپؐ ڈرتے تھے۔ بلکہ آپؐ نے صرف احتیاطی پہلو اختیار کیا تھا ورنہ آپؐ کی دلیری کا یہ عالم تھا۔ کہ جب آپؐ اپنے رفیق

حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ غار ثور کے اندر تھے۔ تو دشمن عین

غار کے منہ پر

پہنچ گیا۔ اور اس کے ساتھ کھوجی بھی تھے۔ جو پاؤں کے نشانوں کا کھوج نکالتے وہاں تک پہنچے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت جب آپؐ غار کے اندر داخل ہو گئے۔ تو ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جھٹ جالا تن دیا۔ دشمنوں نے یہ دیکھ کر کہ غار کے منہ پر تو مکڑی کا جالا ہے اس میں سے کسی آدمی کے گذر نے کا امکان نہیں ہو سکتا۔ یہ خیال کر لیا کہ آپؐ کسی اور طرف چلے گئے ہیں۔ حالانکہ مکڑی دو یا چار منٹ کے اندر نہایت تیزی کے ساتھ اپنا جالا تیار کر لیتی ہے اور میں نے خود مکڑی کو جالا تنتے دیکھا ہے۔ مگر چونکہ خدا تعالیٰ پردہ ڈالنا چاہتا تھا۔ اس لئے دشمن کی سمجھ میں ہی یہ بات نہ آسکی۔ اور انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو وہ

غار کے اندر نہیں یا آسمان پر

چلے گئے ہیں۔ کیونکہ پاؤں کے نشانات غار تک پہنچ کر ختم ہو جاتے تھے۔ اس وقت جبکہ دشمن یہ کہہ رہے تھے۔ کہ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کا ساتھی غار کے اندر ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اندر ان کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اور انہوں نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دشمن تو سر پر آن پہنچا ہے۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

لا تحزن ان اللہ معنا

ابوبکرؓ ڈرتے کیوں ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پس ایک طرف تو آپؐ نے اتنی احتیاط کی۔ کہ آپ مکہ سے چھپ کر نکلے اور دوسری طرف آپؐ کی امید کا یہ عالم تھا۔ کہ باوجود اس کے کہ دشمن ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ اور اگر وہ لوگ ذرا بھی جھک کر غار کے اندر دیکھتے تو وہ آپؐ کو دیکھ سکتے تھے کیونکہ غار ثور کا منہ بڑا چوڑا ہے اور دو تین گز کے قریب ہے۔ آپؐ نہایت دلیری اور حوصلہ کے ساتھ فرماتے ہیں۔ ابوبکرؓ ڈرتے کیوں ہو ان اللہ معنا جب خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ تو ہمیں کس بات کا ڈر ہے۔ ادھر حضرت ابوبکرؓ

مخلص کی یہ حالت تھی۔ کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے لئے تو نہیں ڈر رہا۔ میں تو اس لئے ڈر رہا ہوں کہ اگر آپ خدانخواستہ مارے گئے تو

خدا تعالےٰ کا دین

تباہ ہو جائے گا۔ اسی طرح جب مدینہ میں منافقوں کی شرارت حد سے بڑھ گئی۔ تو آپ کئی رات متواتر نہ سوئے جب آپ کی یہ تکلیف بڑھ گئی۔ تو آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کاش! اللہ تعالیٰ کسی مخلص مسلمان کے دل میں ڈالتا کہ وہ میرا پہرہ دیتا اور میں سو لیتا۔ آپ کو یہ بات کہے دو تین منٹ ہی ہوئے تھے۔ کہ آپ کو ہتھیاروں کے جھنکار کی آواز آئی۔ آپ نے فرمایا کون ہے۔ آنے والے نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فلاں ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ ہتھیار کیسے ہیں۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس لئے آیا ہوں کہ میں

آپ کا پہرہ دوں

تب آپ آرام فرمائیں۔ ایک طرف تو آپ کی احتیاط کی یہ حالت تھی۔ مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ جب

رومیوں کے حملہ کا ڈر

تھا۔ اور مدینہ میں یہ خبر عام تھی کہ آج یا کل ہی حملہ ہونے والا ہے اس لئے لوگوں کو نیند بھی نہ آتی تھی کہ ایک رات جب کچھ شور سنائی دیا اور صحابہ شور سن کر جمع ہونے لگے۔ اور مسجد میں بیٹھ گئے۔ اس انتظار میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہونگے آپ کو خبر کی جائے۔ کہ اس قسم کا شور ہوا ہے۔ وہ اس قسم کی باتیں کر ہی رہے تھے۔ کہ باہر سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ جب وہ سوار ان کے پاس پہنچا۔ تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ کہ وہ آنے والا سوار

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تھے۔ آپ نے آتے ہی فرمایا خطرہ کی کوئی بات نہیں میں دیکھ کر آیا ہوں۔ آپ جس گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے۔ وہ گھوڑا بھی کسی دوسرے کا تھا۔ آپ نے جب شور سنا تو پہلے جا گھوڑا لیا۔ اور پیشتر اس کے کہ سارے صحابہ جمع ہو جاتے۔ آپ میلوں میل تک دیکھ کر واپس بھی تشریف لے آئے۔ اب دیکھو ایک طرف تو خوف کی وہ حالت تھی اور ایک طرف امید کی یہ حالت تھی۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ

غزوہ حنین

میں جب مسلمانوں کا لشکر پیچھے ہٹا کیونکہ دشمن کے تیروں کے حملے نے شدت اختیار کر لی تھی

(باقی دیکھو صفحہ ۸ پر)

تبدیلی نام

میں نے اپنا نام نتھے خان سے کرامت اللہ احمدی تبدیل کر لیا ہے۔ آئندہ اسی نام سے بندہ کو مخاطب کیا جائے

(خاکسار کرامت اللہ احمدی محلہ خلوت انبالہ شہر)

صحت کی ترقی قوم کی تعمیر ہے
آپ کی بیش بہا نعمت آپ کی آنکھیں
سرمہ مبارک
حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین رضؓ کا مشہور و معروف نسخہ ہے۔
جو آپ ہمیشہ ککرے۔ دھند۔ خارش۔ جالا۔ کمزوری نظر۔ آشوب چشم
وغیرہ امراض میں مبتلا مریضوں کو استعمال کراتے تھے۔ مذکورہ امراض کے دفعیہ کے لئے بے حد
مجرب ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کے مبارک نادر و نایاب اور قیمتی کھرل میں ہفتوں کی محنت سے یہ سرمہ تیار کیا
گیا ہے۔ اس کے اجزا انتہائی احتیاط اور سائنس کے طریقوں پر مرکب کئے گئے ہیں۔ جلنے والی اور ضرر رساں
دوائیوں سے قطعی پاک ہوتے ہوئے بوڑھوں اور بچوں کے لئے نہایت اطمینان کے ساتھ استعمال کئے جا سکتے
ہیں۔ سرمہ مبارک کی سفارش حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ نے خود کی ہے۔ اور خاص آنکھ کے معالج پچاس
سال سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ سرمہ مبارک کے متعلق بہت سے سرٹیفکیٹ دواخانہ نورالدین میں موجود ہیں۔
قیمت فی تولہ اڑھائی روپے
جناب مرزا احمد بیگ صاحب
ریٹائرڈ ڈائمنگ انسپکٹر قائمقام ناظر ضیافت
میری آنکھوں میں خارش رہتی تھی۔ سرمہ مبارک دواخانہ
نورالدین پانچ روز آنکھوں میں ڈالا جس سے
خارش جاتی رہی اور آنکھوں کو فائدہ پہنچا۔
الحمد للہ
خاکسار مرزا احمد بیگ
جناب شیخ محمد الدین صاحب مختار عام
صدر انجمن احمدیہ قادیان
سرمہ مبارک تیار کردہ دواخانہ نورالدین
خارش چشم کو دور کرنے میں مفید ثابت
ہوا ہے۔ اس کا مجھے ذاتی تجربہ ہے۔
والسلام
محمد الدین مختار عام
دواخانہ نورالدین قادیان پنجاب
سرمہ مبارک کے متعلق ہمارا رسالہ جس میں مفصل معلومات ہیں مفت طلب فرمائیں۔

ضروری خبریں

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس

برطانوی سکیم کی منظوری۔ ریاستوں کی آزادی کی مخالفت

نئی دہلی ۱۵ جون۔ آج رات آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے کثرت آراء سے ورکنگ کمیٹی کی وہ قرارداد منظور کر لی جس میں برطانوی سکیم کو منظور کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔ ۱۵۲ ممبروں نے اس کے حق میں ووٹ دیئے اور صرف ۲۹ ممبروں نے خلاف رائے دی پنڈت نہرو نے اس موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ کانگرس جھک گئی ہے ملک میں قتل و غارت کا سلسلہ جاری تھا اور اس کی وجہ سے نظام حکومت میں جو تعطل کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اسے دور کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ہم ملک کی تقسیم کو منظور کر لیتے۔ آپ نے کہا یہ غلط ہے کہ برطانیہ کی موجودہ سکیم ہم پر زبردستی مسلط کی گئی ہے۔ یہ سکیم ہندوستانی لیڈروں کے باہمی سمجھوتے کے ذریعے تیار کی گئی ہے اور اس سلسلے میں مَیں نے جو حصہ لیا ہے۔ میں اس کی ذمہ واری لینے کے لئے تیار ہوں مسٹر ولبھ بھائی پٹیل نے تقریر کرتے ہوئے کہا برطانیہ کی نئی سکیم نے فرقہ وارانہ بدامنی کو دور کرنے کا ایک موقعہ پیدا کر دیا ہے۔ اچاریہ کرپلانی صدر کانگرس نے کہا ہم نے قانونی طور پر پاکستان کو تسلیم کر لیا ہے اب پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک مشترکہ کمیٹی قائم ہونی چاہیے تاکہ متفقہ طور پر اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا مناسب انتظام کیا جائے۔

اجلاس میں متفقہ طور پر ریاستوں کے متعلق بھی ایک قرارداد پاس کی گئی۔ جسمیں کہا گیا ہے کہ ہندوستان کی کسی ریاست کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ملک سے الگ تھلگ رہے اور اپنی آزادی کا اعلان کر دے۔ پنڈت نہرو نے اس قرارداد کی تائید کرتے ہوئے کہا ہم کسی ریاست کو آزاد ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ریاستوں کو گروپ کی صورت میں یا الگ الگ۔ بہرحال ہندوستان یا پاکستان کی اسمبلیوں میں آنا پڑے گا۔ اگر کوئی ریاست الگ رہی تو اسے ملک کی کسی حکومت سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔ اس سمجھوتہ کی رو سے گو اندرونی معاملات میں آزادی رہے گی۔ لیکن کسی حکومت کی سرداری انہیں ضرور قبول کرنی پڑے گی۔ جن ریاستوں نے اپنی آزادی کا اعلان کیا ہے۔ پنڈت نہرو نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ اگر کسی بیرونی ملک نے ان ریاستوں کی آزادی کو تسلیم کر لیا تو ہم اسے اپنا دوست تصور نہیں کریں گے۔

اچاریہ کرپلانی صدر کانگرس نے اس قرارداد کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ جن ریاستوں نے آزادی کا اعلان کیا ہے۔ وہاں کے عوام کو موقع دیا جائے گا۔ کہ وہ اپنے نمائندے دستور ساز اسمبلی میں بھیجیں۔ آپ نے کہا سنا گیا ہے کہ بعض ریاستیں بڑی تعداد میں فوج تیار کر رہی ہیں۔ حکومت ہند کو ایسی ریاستوں کے متعلق فوراً مناسب کارروائی کرنی چاہیئے۔

ریاست ٹراونکور کانگرس کا مقابلہ کریگی

ریاست ٹراونکور کے دیوان نے ایک بیان میں اعلان کیا ہے کہ کانگرس نے ریاست ٹراونکور کی آزادی اور خود مختاری کو جو چیلنج دیا ہے ریاست اسے منظور کرتی ہے۔ اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ آپ نے ریاست کے ملازمین کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ جو ملازمین کانگرس سے ہمدردی رکھتے ہیں انہیں ریاست کی ملازمت سے علیحدہ ہو جانا چاہئیے۔ آپ نے کہا ریاست کے مسلمانوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ریاست کی آزادی کے لئے لڑیں گے اور مہاراجہ صاحب کا ساتھ دیں گے۔

نئی دہلی ۱۶ جون آج بھنگی بستی میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کا ایک خاص اجلاس ہوا۔ جس میں صوبہ سرحد کی تازہ صورت حالات پر غور کیا گیا۔ گاندھی جی اور عبدالغفار خاں بھی اس میں شامل ہوئے امید ہے کہ خان عبدالغفار خاں سرحد میں ہونیوالے ریفرنڈم کے سلسلے میں کانگرس سے مناسب ہدایات لے کر کل پشاور روانہ ہو جائیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۶)

آپؐ صرف چند صحابہؓ کو ساتھ لے کر دشمن کی طرف آگے بڑھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ دیکھ کر کہ دشمن کا حملہ شدید ہے آپؐ کو روکنا چاہا۔ اور آگے بڑھ کر آپؐ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ مگر آپؐ نے فرمایا چھوڑ دو میرے گھوڑے کی باگ کو۔ اس کے بعد آپؐ یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

انا النبی لا کذب
انا ابن عبد المطلب

یعنی میں خدا تعالےٰ کا نبی ہوں۔ اور جھوٹا نہیں ہوں۔ اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ آپؐ کا یہ فرمانا کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اس کا یہ مطلب تھا کہ اسوقت دشمن کا حملہ اس قدر شدید ہے کہ دشمن کے چار ہزار تیر انداز تیروں کی بارش برسا رہے ہیں۔ اس حالت میں میرا آگے بڑھنا روحانیت کی شان سے بہت بلند اور بالا نظر آتا ہے اس سے کوئی دھوکہ نہ کھائے اور یہ نہ سمجھے کہ مجھ میں خدائی طاقتیں ہیں۔ میں تو عبدالمطلب کا بیٹا ہی ہوں اور ایک بشر ہوں۔ صرف اللہ تعالےٰ کی مدد میرے نبی ہونے کی وجہ سے میرے ساتھ ہے

جنگ بدر

کے موقعہ پر صحابہؓ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک اونچی جگہ بنا دی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) آپؐ یہاں تشریف رکھیں۔ چنانچہ آپؐ وہیں بیٹھ گئے۔ اور خدا تعالےٰ کے حضور نہایت عجز اور رقت سے دعائیں کرنے لگے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ تعالےٰ کے آپ کے ساتھ وعدے نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا وعدے تو ہیں مگر وہ غنی بھی تو ہے۔ اور مومن کا کام ہے کہ اس کی غنا کو کبھی نہ بھولے۔ پس آپؐ کو ایک طرف تو خدا تعالےٰ کے وعدوں پر

پورا اور کامل یقین

تھا۔ اور دوسری طرف یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ تعالےٰ غنی بھی ہے آپؐ کو خوف بھی تھا۔ مگر اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ احتیاط کی طرف سے کلی طور پر پہلو تہی کرتے ہوئے صرف امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں۔ مومن کو امید کی بھی اور احتیاط کی بھی سخت ضرورت ہے۔ مگر مسلمان کہتے ہیں دیکھا جائے گا۔ آجکل کے مسلمان

دونو حدود کے سرے پر

پہنچے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اصل طریق جو ان کو اختیار کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ خوف اور امید کی درمیانی راہ تلاش کریں۔ اور خدا تعالےٰ کے بتائے ہوئے راستوں۔ اور محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تجویزوں پر عمل کریں۔ ایک طرف انہیں انتہا درجہ کی تنظیم کرنی چاہیئے۔ اور دوسری طرف خدا تعالےٰ پر کامل یقین رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ مومن وہی ہوتا ہے جو ایک طرف تدبیر بھی کرتا ہے۔ اور دوسری طرف

تقدیر پر بھی ایمان

رکھتا ہے۔ جب یہ دونوں حالتیں اس کے اندر یک وقت جمع ہو جاتی ہیں۔ تو خدا تعالےٰ کے فضلوں کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں۔ اور اس وقت خدا تعالےٰ کہتا ہے میں نے اپنے بندے کو دو حکم دئیے تھے۔ اور میرے بندے نے دونوں حکم مانے ہیں۔ میں نے اسے تدبیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس پر اس نے عمل کیا ہے۔ اور میں نے اس کو تقدیر پر ایمان لانے کو کہا تھا۔ اس پر بھی اس نے عمل کیا ہے۔ اس لئے اب میں نے بھی اپنے اوپر فرض کر لیا ہے کہ میں اپنے فرمانبردار بندے کی استعانت کروں۔ اور اس کے دشمن کے منصوبوں کو خاک میں ملا کر رکھ دوں۔ اور اگر مسلمان ان باتوں پر عمل پیرا نہیں ہوں گے۔ تو خدا تعالےٰ کہے گا۔ تم نے اپنے نفس کا حکم مانا ہے اگر تم میرے متبعین میں سے ہوتے تو کسی دوسرے کی بات کیوں مانتے۔ اس لئے جاؤ میں تمہاری کوئی امداد نہیں کروں گا۔